

علامہ فضل حق خیرآبادی

ڈاکٹر ثریا ڈار

علامہ فضل حق خیرآبادی جادۂ آزادی کے رہبر و مجاہد اعظم ، علمی و ادبی کمالات میں مسلم الثبوت اور عزم و ثبات کے پیکر تھے ۔ بلند پایہ محقق ، اور ادبی دنیا میں ممتاز مقام رکھتے تھے ۔ آپ ۱۲۱۲ھ - ۱۲۹۷ء میں اپنے آبائی وطن خیرالبلاد خیرآباد میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے جلیل القدر والد گرامی جناب فضل امام خیر آبادی دارالسلطنت دہلی میں صدر الصدور کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے ۔

علامہ فضل حق خیرآبادی کا سلسلہ نسب خلیفہ ثانی امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے ۔
» باغی ہندوستان « میں آپ کا شجرہ نسب یوں بیان کیا گیا ہے :
» علامہ فضل حق بن مولانا فضل امام بن شیخ محمد ارشد ہرگامی بن حافظ محمد صالح بن ملا عبدالواجد بن عبدالماجد بن قاضی صدر الدین بن قاضی اسمعیل ہرگامی بن قاضی عماد الدین بدایونی بن شیخ ارزانی بن شیخ منور بن شیخ خطیرالملک بن شیخ سالار بن شیخ وجیہ الملک بن شیخ بہاء الدین بن شیر ملک شاہ ایرانی بن شاہ عطاء الملک بن ملک

بادشاہ بن ابو الفتح ملک بن محمد عمر حاکم ملک بن عادل
 ملک بن فاروقی بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن محمد
 عثمان بن ماہان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن
 عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن امیر المومنین خلیفۃ المسلمین
 حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ ، (۱)

علامہ فضل حق خیر آبادی کے اسلاف ایران کے ایک حصے
 پر کافی عرصہ تک حکمران رہے ۔ گردش ایام کے باعث
 حکمرانی سے دست بردار ہونا پڑا بعد ازاں علمی خدمات کو
 خاندانی شعار بنا لیا ۔ آپ کے مورث اعلیٰ شیرالملک بن شاہ عطاء
 الملک کے دو صاحبزادوں بہاء الدین اور شمس الدین نے علوم و
 فنون میں بلند مقام حاصل کیا ۔ ظاہری و باطنی علوم میں کامل دونوں
 بزرگ ایران سے ہندوستان وارد ہوئے ۔ فضل و کمال میں اعلیٰ مقام
 رکھنے کے باعث بہاء الدین قبة الاسلام بدایوں میں قاضی اور
 شمس الدین رھتک کے مفتی اعظم مقرر ہوئے ۔ مفتی شمس
 الدین کے صاحبزادے ملا کمال الدین کے نامور پوتے شاہ ولی اللہ بن
 عبدالرحیم دہلوی تھے اور بہاء الدین کے صاحبزادے وجیہ الملک
 کے پوتے شیخ ارزانی بدایوں میں رہے ، پھر شیخ ارزانی نے اپنے بیٹے
 عماد الدین کو تحصیل علم کی خاطر قاضی ہرگام کی خدمت
 اقدس میں بھیجا ۔ قاضی ہرگام آپ کے علم و فضل ،
 شرافت و نجابت اور ذاتی وجاہت و حسن اخلاق کے باعث
 بہت متاثر ہوئے اور اپنی دختر نیک اختر سے عقد کر کے آپ کو
 اپنی فرزندگی میں لے لیا ۔ قاضی صاحب موصوف کے انتقال کے بعد آپ

ہرگام کے قاضی بن گئے۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے قاضی اسمعیل اور پوتے قاضی صدرالدین بھی ہرگام کے قاضی رہے۔ قاضی صدر الدین کے بیٹے عبدالماجد اور پوتے عبدالواجد بھی اپنے عہد کے فاضل اجل تھے۔ ملا عبدالواجد کے صاحبزادے اور علامہ فضل حق خیرآبادی کے پردادا حافظ محمد صالح، محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں منصب جلیلہ پر فائز تھے۔ حافظ صاحب کے بیٹے اور علامہ فضل حق خیرآبادی کے دادا شیخ محمد ارشد ہرگامی، ہرگام کو چھوڑ کر خیرآباد (ضلع سینٹاپور اودھ) میں سکونت پذیر ہوئے۔ علامہ صاحب کے والد محترم فضل امام خیرآبادی صدر الصدور دہلی تھے۔

مولانا فضل حق خیرآبادی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ اس دور کے دوسرے طلبہ کی طرح ایک طرف تو علم معقول کی تحصیل کے لیے اپنے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تو دوسری طرف علم منقول یعنی حدیث، فقہ اور تفسیر وغیرہ کے لیے شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کی خدمت میں زانوئے تلمذتہ کرتے۔ علامہ صاحب نے آٹھ برس کی عمر میں صرف و نحو کی طرف توجہ مبذول کی۔ قوی الحافظہ اور ذہین و فطین ہونے کے باعث چار ماہ کی قلیل مدت میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور تیرہ برس کی عمر میں تمام مروّجہ علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت حاصل کی۔

آپ نسباً فاروقی، فقہی لحاظ سے حنفی اور، عقائد میں ماتریدی تھے آپ نے سلسلہ چشتیہ میں حضرت شاہ دھومن دہلوی

کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسلیے مولوی رحمان علی ” تذکرہ علمائے ہند “ میں انہیں ” عمری ، حنفی ، ماتریدی ، چشتی لکھتے ہیں “ (۲) رئیس زادہ ہونے کے باعث علامہ فضل حق خیرآبادی مفتی صدر الدین آزرده دہلوی کی معیت میں ہاتھی پر سوار ہو کر تحصیل علم کے لیے شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ” مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب جس روز خود کتاب لے کر جاتے ، اس روز شاہ عبدالقادر سبق پڑھاتے تھے اور جس روز خدمت گار کتاب ساتھ لے کر پہنچتا ، اس روز کشف سے مطلع ہوا کر سبق نہ پڑھاتے “ (۳)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کے ساتھ اس دربار میں تربیت ، علم کی عظمت اور استاد کی عزت و احترام کے طریقے بھی سکھائے جاتے تھے۔ اسی طرح ” امیر الروایات “ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ ” مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدر الدین یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس خاندان کے لوگ علوم دینیہ جیسے حدیث ، تفسیر اور فقہ وغیرہم خوب جانتے ہیں مگر معقولات نہیں جانتے ، چنانچہ ایک روز جس وقت پڑھنے جا رہے تھے ابھی وہ شاہ صاحب تک پہنچے بھی نہ تھے کہ شاہ صاحب نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ ایک بوریا مسجد سے باہر ڈال دو اور ایک مسجد کے اندر اور جب فضل حق اور صدر الدین آئیں تو ان کو وہیں بٹھا دو۔ بورے حسب الحکم بچھا دیے گئے اور جب وہ دونوں آگئے تو ان کو وہیں بٹھا دیا گیا۔ جب ان کے آنے کی شاہ صاحب کو اطلاع ہوئی تو شاہ صاحب تشریف لائے اور آ کر اپنے بورے پر بیٹھ

گئے اور فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدر الدین آج سبق پڑھانے کو تو جی نہیں چاہتا۔ یوں جی چاہتا ہے کہ کچھ معقولیوں کی خرافات میں گفتگو ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ جیسے حضرت کی خوشی ہو۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ متکلمین کا کونسا مسئلہ ایسا ہے جو فلاسفہ کے مقابلے میں بہت ہی کمزور ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت متکلمین کے تو اکثر مسائل کمزور ہی ہیں مگر فلاں مسئلہ تو بہت ہی کمزور ہے۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا تم فلاسفہ کا مسئلہ لو اور ہم متکلمین کا، اور گفتگو کریں۔ انہوں نے عرض کیا کہ بہت اچھا۔ اس پر گفتگو ہوئی اور شاہ صاحب نے دونوں کو عاجز کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اچھا اب بتلاؤ، فلاسفہ کا کونسا مسئلہ سب سے زیادہ کمزور ہے۔ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ فلاں مسئلہ بہت کمزور ہے۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا اب تم متکلمین کا پہلو لو اور ہم فلاسفہ کا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور شاہ صاحب نے اب بھی ان کو چلنے نہیں دیا۔ جب ہر طرح سے ان کو مغلوب کر دیا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدر الدین تم یہ نہ سمجھو کہ ہمیں معقول نہیں آتی بلکہ ہم نے ان کو ناقص اور واہیات سمجھ کر چھوڑ دیا ہے مگر انہوں نے ہمیں اب تک نہیں چھوڑا وہ ابھی تک ہماری قدم بوسی کرتے جاتے ہیں “ (۳)

علامہ فضل حق خیرآبادی نے تیرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد اس دور کے دستور کے مطابق والد محترم

کے ارشاد پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ مولانا فضل امام کی خدمت میں حاضر ہونے والے طلبہ کو علامہ فضل حق خیر آبادی ہی درس دیا کرتے تھے۔ مولانا سید غوث علی شاہ پانی پتی سے منقول ہے کہ ”مولوی فضل امام نے ایک طالب علم سے فرمایا کہ میاں جٹاؤ، فضل حق سے سبق پڑھ لو۔ وہ آیا۔ غریب آدمی بدصورت بڑی عمر کا، کم علم، کند ذہن تھا۔ یہ نازک طبع، ناز پروردہ، جمال صورت و معنی سے آراستہ چودہ برس کا سن و سال، نئی فضیلت، ذہن میں جودت، بھلا میل ملے تو کیسے ملے، صبحت راس آئے تو کیونکر آئے، تھوڑا سبق پڑھایا تھا کہ بگڑ گئے فوراً اس کی کتاب پھینک دی اور برا بھلا کہہ کر نکال دیا۔ وہ روتا ہوا مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا حال بیان کیا۔ فرمایا، بلاؤ اس خبیث کو۔ علامہ فضل حق صاحب آئے اور دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ مولانا نے ایک تھپڑ مارا ایسے زور سے کہ دستار فضیلت دور جا پڑی۔ پھر فرمانے لگے۔ ”کہ تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا۔ ناز و نعم سے پرورش پائی۔ جس کے سامنے کتاب رکھی، اس نے خاطر داری سے پڑھایا۔ طالب علموں کی قدر و منزلت کو تو کیا جانے۔ اگر مسافت کرتا، بھیک مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی۔ ارے، طالب علمی کی قدر ہم سے پوچھ۔“ خیردار، تم جانو گے اگر آئیندہ ہمارے طالب علموں سے کچھ کہا، ”(۵) علامہ صاحب چپ کھڑے روتے رہے اور کچھ دم نہ مارا۔ آخر غصہ رفع ہوا۔ اس کے بعد علامہ فضل حق صاحب طالب علموں سے ہمیشہ شفقت و محبت اور دلجوئی سے پیش آئے۔

علامہ صاحب علوم عربی میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ ساتھ درسی مضامین ریاضی ، منطق اور ہیئت کے ایک ایسے بحر زخار تھے کہ استفادہ کرنے والے ہمیشہ مطمئن لوٹتے تھے ” باغی ہندوستان “ میں آپ کی ذہانت کی ایک روشن مثال موجود ہے کہ ” شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جب ردشیعہ میں ” تحفہ اثنا عشریہ “ محققانہ انداز میں تحریر فرمائی تو شیعان ہند کی طرح اہل تشیع ایران میں بھی ہیجان پیدا ہوا ۔ ایران سے میر باقر داماد ” صاحب افق المبین “ کے خاندان کا متبحر عالم اور مجتہد ، اونٹوں پر کتب فریقین لاد کر شاہ صاحب سے مناظرہ کے لیے دہلی پہنچا ۔ خانقاہ میں داخل ہونے پر شاہ صاحب نے فرائض میزبانی ادا فرماتے ہوئے قیام کے لیے مناسب جگہ تجویز فرما کر رخت سفر رکھوایا ۔ شام کو فضل حق حاضر ہوئے تو شاہ صاحب کو مصروف مہمان نوازی دیکھ کر کیفیت معلوم کی ۔ تھوڑی دیر حاضر خدمت رہ کر بعد مغرب مجتہد صاحب کی خدمت میں پہنچے ۔ مزاج پرسی کے بعد کچھ علمی گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا ۔ مجتہد صاحب نے پھر پوچھا ” میاں صاحبزادے کیا پڑھتے ہو ؟ عرض کیا ، شرح اشارات ، شفا اور افق المبین وغیرہم دیکھتا ہوں ۔ مجتہد صاحب کو بہت حیرت ہوئی ۔ ” افق المبین کی کسی عبارت کا مطلب پوچھ لیا ۔ علامہ نے ایسی مدلل تقریر کی کہ ” صاحب افق المبین “ پر متعدد اعتراضات کر گئے ۔ معزز مہمان نے اعتراضات کی جواب دہی کی کوشش کی تو ان کے لیے جان چھڑانا اور بھی مشکل ہو گیا ۔ جب خوب عاجز کر لیا تو اپنے شبہات کے ایسے انداز میں جوابات دیے

کہ تمام ہمراہی علماء بھی انگشت بدندان ہو گئے۔ آخر آپ نے یہ اظہار بھی کر دیا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز کا شاگرد اور کشف بردار ہوں اور اظہار معذرت کرتے ہوئے رخصت ہوئے « (۶) ایرانی عالم یہ سن کر بہت متاثر ہوا اور اندازہ کر لیا کہ اس خانقاہ کے بچوں کے علم و فضل کا جب یہ عالم ہے تو خود شیخ خانقاہ خدا جانے کیسا ہو گا ؟

» صاحب تذکرہ علمائے ہند « آپ کی ذہانت اور حسن بیان کے بارے میں رقمطراز ہیں :

» دوازدہ صد و شصت و چہار ہجری مولف ہیچمیدان بمقام لکھنؤ بخدمتش رسیدہ دید کہ درعین حقہ کشی و شطرنج بازی تلمیذی را سبق افق المبین میداد و مطالب کتاب را بہ متعلم باحسن بیانی دل نشین می نمود « (۷)

غرض کہ ۱۸۰۹ء سے لے کر ۱۸۵۸ء تک مسلسل پچاس برس تک سلسلہ تدریس جاری رہا۔ اس دوران میں فرائض ملازمت کی انجام دہی کے ساتھ تصنیف و تالیف میں بھی مشغول رہے لیکن یہ تمام امور آپ کے سلسلہ تدریس میں کبھی بھی حائل نہ ہوئے۔

مولانا فضل امام خیرآبادی کے انتقال کے وقت علامہ صاحب کی عمر اٹھائیس ۲۸ برس تھی۔ خاندانی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لیے دہلی کے محکمہ ریڈیڈنٹ کے سر رشتہ دار مقرر ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد آپ نے ریڈیڈنسی کمشنری میں اپنی تبدیلی کروالی۔ نازک مزاجی کے باعث جب یہ ملازمت بھی راس نہ آئی تو استعفیٰ پر ہی بات ختم ہوئی۔ پھر نواب فیض محمد خان والی جھجھر نے

پانچ سو روپے ماہوار پر نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے پاس بلا لیا۔ کچھ عرصہ جھجھر میں قیام پذیر رہنے کے بعد مہاراجہ الور کی دعوت پر الور چلے آئے۔ بعد ازاں نواب ٹونک اور پھر ریاست رام پور میں ملازمت اختیار کر لی، وہاں نواب یوسف علی خان نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کئے۔ آٹھ برس رام پور میں قیام کرنے کے بعد لکھنؤ کے صدر الصدور بنا دیے گئے۔ جب ملک میں ابتری و انتشار کو فرو کرنے کے لیے ایک کچھری ”حضور تحصیل“ کے نام سے بنائی گئی تو علامہ فضل حق صاحب نے زمانہ ملازمت میں تمام امور نہایت تندہی، ایمانداری اور دیانت داری سے سرانجام دیے۔

علامہ صاحب اپنے عہد کے متبحر عالم تھے۔ ان کے ہم عصروں میں شاہ اسماعیل شہید، حکیم مومن خان مومن اور مرزا نوشہ (غالب) بہت مشہور ہیں۔ شاہ اسماعیل شہید اور علامہ صاحب امکان النظیر و امتناع النظیر، رفع الیدین اور آمین بالجہر کے موضوعات پر اکثر بحث مباحثے کرتے رہتے تھے، جن میں آخر کار شاہ صاحب بازی لے جاتے تھے۔ اگرچہ مومن خان مومن اور مرزا غالب، علامہ کے بہت قریبی اور قدیم دوست تھے لیکن قربت اور دوستی پر حق بات کو ترجیح دیتے تھے۔ جیسا کہ امیر الروایات میں ہے کہ ”جب شاہ اسماعیل صاحب اور علامہ فضل حق صاحب میں تحریری مناظرہ ہوتا تو شاہ اسماعیل کا قاعدہ تھا کہ جب آپ کے پاس علامہ فضل حق صاحب کی تحریر پہنچتی تو فوراً جواب دیتے اور بعض اوقات تو ایسا ہوا کہ آپ تیرے ہی اور تیرے ہی کی حالت میں آپ کے پاس تحریر پہنچتی، آپ نے تیرے ہی تیرے اس

کا جواب لکھوا دیا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مومن خان اور مولوی فضل حق صاحب شطرنج کھیل رہے تھے اور مولوی فضل حق صاحب نے شاہ محمد اسماعیل کے پاس تحریر بھیجی تھی اتفاق سے ان کے شطرنج کھیلنے میں آدمی واپس آگیا۔ مولوی فضل حق نے دریافت کیا کہ جواب لائے۔ اس نے کہا کہ جواب نہیں دیا اور کہا فلاں وقت دوں گا چونکہ یہ بات شاہ اسماعیل صاحب کے طرز کے خلاف تھی۔ اس لیے علامہ فضل حق صاحب نے سمجھا کہ اب شاہ اسماعیل عاجز آگئے اور یہ سمجھ کر کہا کہ بس دے لیا جواب۔ یہ بات مومن خان مومن کو ناگوار گذری۔ انہوں نے کہا کہ وہ بات ہی کیا، جس کا جواب مولانا صاحب نہیں دے سکتے۔ اس پر ان میں گفتگو شروع ہو گئی اور مومن خان مناظرہ میں غالب رہے چونکہ گفتگو میں مزاج مکدر ہو گیا تھا، اس لیے مومن خان یہ شعر کہہ کر چل دیے۔

”لے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں

مومن نہ ہو جو ربط رکھیں بدعتی سر ہم (۸)

”جب علامہ فضل حق صاحب نے دیکھا کہ مومن خان ناراض

ہو گئے تو وہ ان کو منانے کے لیے گئے اور کچھ گفتگو ہو کر صلح ہو گئی۔“ (۹)

بلند پایہ شاعر مرزا نوشہ بھی علامہ فضل حق کے قدیم دوست

تھے۔ علامہ صاحب نے مرزا صاحب کی توجہ شاعری کے ساتھ ساتھ مذہبی بحثوں کی طرف بھی مبذول کی اور مرزا صاحب سے

نہایت اصرار کے ساتھ فارسی میں وہابیوں کے خلاف مثنوی لکھنے کا وعدہ لیا ، جس میں ان کے بڑے بڑے اور مشہور عقیدت مندوں کی تردید اور خاص طور پر شاہ اسمعیل کو مخاطب کر کے امتناع النظیر خاتم النبیین کے مسئلہ کو زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنے کی فرمائش کی ۔ علامہ صاحب ، شاہ اسمعیل کی مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے ۔ جب شاہ اسمعیل صاحب نے جامع مسجد دہلی کے تبرکات نبوی کے خلاف مسلمان قوم کو شرک و بدعت سے دور رہنے کے لیے وعظ و تذکیر کے ساتھ صحیح اسلامی توحید کا نقشہ پیش کیا تو دنیا طلب مولویوں کے گروہ میں آگ بھڑک اٹھی اور وہ سب آپ کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے ۔ جب وہ لوگ آپ کے خلاف کچھ نہ کر سکے تو انہوں نے ڈیڑھ ہزار دستخطوں پر مبنی ایک درخواست علامہ فضل حق صاحب کی تائید کے ساتھ انگریز حاکم کے سامنے پیش کی ، جس میں شاہ اسمعیل ہی کامیاب رہے نتیجتاً شاہ صاحب نے جہاد باللسان کی بجائے جہاد باسیف کے وعظ کا آغاز کر دیا ۔

مولانا عبدالشہاد خان شروانی ” باغی ہندوستان “ میں علامہ فضل حق خیرآبادی کی شاہ اسمعیل شہید سے مخالفت کا ذکر ” تقویۃ الایمان “ کے حوالے سے اس طرح کرتے ہیں کہ اس کتاب میں افراط و غلو کے نتیجے میں مولانا کے جذبہ اصلاح اور وعظ و ارشاد کی قدر کرنے والے اور پرانے ساتھی بھی مولانا کی مخالفت کیے بغیر نہ رہ سکے ۔ اس موقع پر علامہ فضل حق صاحب بھی پہلوتھی اور خاموشی کو گناہ عظیم تصور کرتے ہوئے شہاد صاحب

کے مخالف لوگوں میں شامل ہو گئے۔ شروانی صاحب نے اس بات کا اقرار بھی کیا ہے کہ کتاب میں شرک خفی کو شرک جلی میں لکھ دینے کا احساس خود مصنف کو بھی تھا تو کیا شروانی صاحب کا مقصد یہاں علامہ صاحب کی ذات گرامی کو اس بات سے بری کرنا ہے کہ انہوں نے شاہ اسماعیل صاحب کی مخالفت صرف اسی موقع پر ہی کی تھی حالانکہ جب وہ انگریز ریڈیڈنٹ کے محکمہ میں سررشتہ داری کے عہدے پر فائز تھے تو انہوں نے بلاوجہ ہی آپ کی مخالفت کی تھی۔ عمر کے آخری ایام میں اس بات کا اعتراف، کہ تمام عمر شاہ اسماعیل صاحب کی مخالفت بغیر کسی معقول وجہ کے کرتے رہے۔ ”امیر الروایات“ میں انہوں نے خود کہا ہے۔ مفتی عنایت احمد صاحب علامہ فضل حق صاحب کے ساتھ رنگوں میں ایک ہی جگہ مقید تھے۔ مفتی عنایت احمد نے رہا ہونے کے بعد ہندوستان آ کر بیان فرمایا کہ ”مولوی فضل حق صاحب بہت نادم تھے، روتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ سے سخت غلطی ہوئی کہ میں نے مولوی اسماعیل صاحب کی مخالفت کی۔ وہ بے شک حق پر تھے اور میں غلطی پر تھا۔ مجھ پر جو یہ مصیبت پڑی ہے، یہ میرے انہی اعمال کی سزا ہے۔ میری مولوی اسماعیل سے دوستی تھی اور میں بھی ان کے ساتھ شہید ہوتا مگر کیا کیجیئے۔ بدایوں والوں نے ابھار کر ان سے بھڑوا دیا اور میں علم کے غرہ میں حق کو باطل کرنے پر تل گیا۔ تم لوگ گواہ رہنا کہ میں اپنے خیالات باطلہ سے توبہ کرتا ہوں اور اگر میں رہا ہو گیا تو اپنی توبہ شائع کروں گا“ (۱۰)

علامہ فضل حق اگرچہ خیرآبادی میں پیدا ہوئے لیکن انہوں نے

اپنی عمر کا بیشتر حصہ دہلی میں گذارا۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے چند سال لکھنؤ میں صدر الصدور کے عہدے پر فائز رہے۔ وہاں کے حالات دہلی سے بھی ابتر تھے۔ اس دوران میں مسجد ہنومان گڑھی (متصل اجودھیا) کا خونی واقعہ پیش آیا۔ مسلمانوں کو وہاں اذان دینے اور نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔ اگر کوئی مسلمان نماز کا وقت ہونے پر اذان دینے کے لیے چلا جاتا تو اسے لہولہا کر کے نکال دیا جاتا۔ آخر کار ذیقعد ۱۲۷۱ھ جولائی ۱۸۵۵ء میں شاہ غلام حسین اور مولوی محمد صالح مجاہدین کے ایک گروہ کے ساتھ کفار کا مقابلہ کرنے کے لئے ہنومان گڑھی پہنچے۔ کفار سے زبردست مقابلہ ہوا نتیجہ تمام مجاہدین مسجد کے اندر ذبح کر دیے گئے کفار جوتے پہن کر مسجد میں گھس گئے، سنکھ بجائے گئے اور (نعوذ باللہ) قرآن کے نسخے پرزہ پرزہ کر کے پاؤں تلے روندے گئے۔ اس سنگین خونی حادثے کی اطلاع مولانا شاہ امیر علی ساکن امیٹھی کو ملی تو انہوں نے جوشیلی تقریروں کے ذریعے مسلمانوں کو جہاد کرنے پر آمادہ کر لیا۔ کفار کے خلاف جہاد میں حصہ لینے والوں کے امیر، امیر علی شاہ تھے۔ یہ مسلمان مجاہدین بھی سرکاری فوج کے ہاتھوں ختم ہوئے۔ اس اثناء میں علامہ فضل حق خیرآبادی، مفتی سعد اللہ رام پوری اور مولوی محمد یوسف فرنگی محل نے مولوی امیر علی اور جہاد ہنومان گڑھی کے خلاف فتویٰ دیا۔ مگر علامہ فضل حق خیرآبادی نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مردانہ وار حصہ لیتے ہوئے اس واقع کی پوری پوری تلافی کر دی۔

ہندوستان پر انگریز عرصے سے قابض تھے۔ مولانا فضل حق اپنے

وطن عزیز کو غلامی کی زنجیروں میں گرفتار دیکھ کر پریشان اور غمزدہ ہو جاتے تھے۔ علامہ صاحب کے حساس دل اور دور رس نگاہوں نے ہندوستان اور ہندوستانیوں کے خلاف اس جذبہ نفرت و حقارت کا بخوبی جائزہ لے لیا تھا جو سامراجی حکمران انگلستان سے روانگی کے وقت لے کر چلتے تھے۔ کم و بیش ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے پورے جاہ و جلال اور عظمت و شوکت سے ہندوستان پر حکومت کی تھی اب انگریزوں کی آمد سے وہ زوال اور انحطاط کا شکار ہو گئے تھے۔ چنانچہ علامہ صاحب مسلمانوں کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے ہر منظم اور باقاعدہ تحریک میں حصہ لینے کے خواہش مند رہتے تھے۔ آزادی وطن کی تحریک میں ہر ریاست کے والی کو، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، شامل کرنے کی کوشش کرتے رہتے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے وقت علامہ صاحب الور میں مقیم تھے۔ اگست ۱۸۵۷ء کو علامہ الور سے دہلی پہنچے۔ آگ اور دھوئیں کے بادل اٹھنے شروع ہو چکے تھے۔ قتل و غارت، فساد اور لوٹ مار معمولی باتیں بن گئی تھیں۔ مسلمانوں کی دو جماعتیں، جن میں ایک جماعت مجاہدین کی اور دوسری جنرل بخت خان کے ماتحت روہیلوں کی تھی، دشمنوں سے لڑ رہی تھیں۔ علامہ فضل حق نے جنرل بخت سے ملاقات کی اور باہمی مشورے سے جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد علماء کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فتویٰ پیش کیا، جس پر مفتی صدر الدین خان آزرہ صدر الصدور دہلی، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی،

ڈاکٹر مولوی وزیر خان اکبر آبادی اور سید مبارک شاہ رام پوری نے دستخط کیے۔ اس فتوے سے پورے ملک میں آگ لگ گئی۔ کمپنی کی فوج نے ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو شہر دہلی پر حملہ کر دیا اور ۱۹ ستمبر کو پورے دہلی شہر پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ جنرل بخت خان اپنی فوج اور توپ خانہ کے ساتھ لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ اس دوران میں بے شمار لوگوں کو گولیوں سے اڑا دیا گیا۔ کئی کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا گیا اور متعدد لوگ دہلی چھوڑ کر غریب الوطنی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ علامہ فضل حق بھی فتوے کی بنا پر باغی قرار دیے گئے۔ قید ہونے سے پہلے اہل و عیال کے ساتھ کچھ مدت چھپے رہے۔ بالآخر جب ملکہ وکٹوریہ نے عفو عام کا اعلان کیا تو علامہ صاحب اپنے وطن خیرآباد پہنچ گئے۔ اپنے رسالہ الثورة الهندیہ میں فرماتے ہیں :

” غافلہ انہ لا ایمان لمن لیس له ایمان ، وانہ یمین بعد

الیمین ، من لایستدین بدین ولایخاف یوم الدین “ (۱۱)

خیرآباد میں چند روز تو نہایت سکون و اطمینان سے گذر گئے لیکن دو آدمیوں کے مخبری کرنے پر آپ کو آپ کے گھر سے گرفتار کر کے مقدمے کے لیے لکھنؤ بھیج دیا گیا اور ان پر سلطنت مغلیہ سے وفاداری یا فتوائے جہاد پر جرم بغاوت میں مقدمہ چلا۔

” مولانا موصوف کے فیصلہ کے لیے جیوری بیٹھی۔ ایک اسیسر نے واقعات سن کر بالکل چھوڑنے کا فیصلہ کیا ، سرکاری وکیل کے مقابل خود مولانا بحث کرتے تھے بلکہ لطف یہ تھا کہ چند الزام اپنے اوپر خود قائم کیے اور پھر خود ہی مثل تار عنکبوت عقلی و قانونی

ادلہ سے ٹوڑ دیے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر پریشان تھا اور ان سے ہمدردی بھی تھی۔ جج نے صدر الصدوری کے عہد میں مولانا سے کچھ عرصہ کام بھی سیکھا تھا۔ وہ مولانا کی عظمت اور تبحر سے بھی واقف تھا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں۔ کرے تو کیا کرے۔ ظاہر یہ ہو رہا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں گے۔ سرکاری وکیل بھی لاجواب تھے۔ ” (۱۲)

دوسرا دن آخری دن تھا۔ مخبر بھی عدالت میں موجود تھا۔ اس نے عدالت میں آنے کے خوف سے اور پھر علامہ کی پروقار اور بارعب شخصیت سے متاثر ہو کر یہ کہہ دیا کہ یہ وہ فضل حق نہیں لیکن علامہ صاحب نے اس کے بیان کی تصدیق و توثیق کرنے سے انکار کرتے ہوئے اس کے پہلے قول کی تائید کی اور فرمایا۔

” پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی۔ اب عدالت میں میری صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور جھوٹ بولا۔ وہ فتویٰ صحیح ہے، میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے ” (۱۳)

علامہ صاحب کے اس اقرار پر انہیں حبس دوام بہ عبور دریائے شور کا حکم سنا دیا گیا۔ بعد ازاں جزیرہ انڈمان روانہ کر دیا گیا۔ آپ نے اپنے علم و فضل اور تصنیف و تالیف کی بدولت اس بے آباد جزیرہ کو بھی دارالعلوم بنا لیا۔

علامہ صاحب نے اپنی پوری زندگی امیرانہ ٹھانڈے سے گزاری تھی اور اب قید میں انہیں غیر معمولی مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں آپ کو بارکوں کی صفائی کرنے اور کوڑا کرکٹ جمع

کر کر پھینکنے پر مامور کیا گیا - فرماتے ہیں :

” میرے دشمن میری ایذا رسانی میں کوشاں ، اور میری ہلاکت کے درپے رہتے ہیں - میرے دوست میرے مرض کے مداوا سے لاچار ہیں - دشمنوں کے دل میں میری طرف سے بغض و کینہ مذہبی عقائد کی طرح راسخ ہو گیا ہے - ان کے پلید سینے کینہ و عداوت کے دھنیں بن گئے ہیں - ان ظاہری اسباب پر نظر کرتے ہوئے میں اپنی نجات سے مایوس اور اپنی امیدوں کو منقطع پاتا ہوں “ (۱۳)

انڈمان کی قید کے دوران آپ نے انگریز سپرنٹنڈنٹ کی فارسی کی کتاب ہیئت کی عبارت درست کر کے دی ، جس پر وہ بہت متاثر ہوا اور اس نے گورنمنٹ سے آپ کی رہائی کی سفارش کی - علامہ فضل حق کے صاحبزادے مولوی شمس الحق ، خواجہ غلام غوث بے خبر اور میر منشی لیفٹیننٹ مغربی و شمالی صوبہ اودھ آپ کی رہائی کے لیے انتھک کوششوں میں مصروف تھے - رہائی کے احکام ملتے ہی مولوی شمس الحق انڈمان روانہ ہو گئے - جہاز سے اتر کر شہر میں گئے تو ایک بہت بڑے مجمع کے ساتھ ایک جنازہ بھی دکھائی دیا - معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہ مولانا فضل حق خیرآبادی کا جنازہ ہے - علامہ صاحب ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ - ۱۹ اگست ۱۸۶۱ء کو اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے (اٹا للہ و آنا الیہ راجعون) مولوی شمس الحق بھی مایوسی کے عالم میں تدفین میں شریک ہوئے اور ناکام وطن واپس لوٹے -

علامہ فضل حق خیرآبادی علم معقول کے امام و مجتہد اور

عربی ادب کے بہت بڑے ماہر تھے۔ علمائے ہند میں سے عربی نثر اور نظم دونوں میں کوئی آپ کا ثانی نہ تھا۔ شاعری میں عرب کے شعرائے متاخرین پر سبقت لے گئے تھے۔ عروض و علم شعر میں اعلیٰ مقام رکھنے کے باعث چار ہزار سے زیادہ اشعار کہے گویا آپ منطق و فلسفہ کے امام ہونے کے ساتھ ساتھ عربی ادب کے بلند پایہ ادیب اور شاعر بھی تھے۔ اس سلسلے میں گل حسن شاہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ ”علامہ صاحب نے ایک قصیدہ عربی زبان میں امرء القیس کے ایک قصیدہ کی طرز پر لکھا اور مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کی خدمت میں سنائے کی غرض سے لے گئے۔ شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا۔ اس کے جواب میں انہوں نے بیس شعر متقدمین کے پڑھ دیے۔ مولوی فضل امام بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ وہ فرمانے لگے کہ بس حد ادب۔ علامہ نے جواب دیا کہ حضرت یہ کوئی علم تفسیر و حدیث تو ہے نہیں، فن شاعری ہے۔ اس میں بے ادبی کی کیا بات ہے؟ شاہ صاحب نے فرمایا کہ برخوردار تم سچ کہتے ہو، مجھ کو سہو ہوا تھا“ (۱۵)

دہلی میں علامہ فضل حق کے ہاں روزانہ صاحب علم و فضل اور باکمال لوگوں کی نشست رہتی تھی۔ دہلی میں دو مقام ایسے تھے، جہاں پر علماء و شعراء کا اجتماع رہتا تھا۔ ایک علامہ کے ہاں اور دوسرا مفتی صدر الدین آزرہ دہلوی کے دولت کدے پر۔ علامہ فضل حق خیرآبادی کے علمی دربار میں آٹھویں دن شعرائے دہلی کا اجتماع ہوتا تھا۔ ”بڑے بڑے کہنے مشق شاعر، مولوی امام

بخش صہبائی، علامہ عبداللہ خان علوی، حکیم مومن خان مومن، مفتی صدر الدین آزرده دہلوی، مرزا اسد اللہ خان غالب، نواب ضیاء الدین خان نیر، شاہ نصیر الدین نصیر، شیخ محمد ابراہیم ذوق، حکیم آغا خان عیش، حافظ عبدالرحمن خان احسان، میر حسین تسکین اور خدا جانے کتنے سخن واران باکمال کا جمگھٹا تھا۔ جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوئے ہوں گے تو آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہو گا۔ (۱۶)

علامہ صاحب نے بچپن سے جوانی میں قدم رکھتے ہی اپنے آبائی وطن خیرآباد اور اقامتی وطن دہلی میں علمی و ادبی مجالس اور شعر و شاعری کی صحبتوں میں رہتے ہوئے فنون ادیبہ میں مکمل مہارت حاصل کر لی تھی۔ سخن فہمی اور نکتہ پروری میں بلند مقام رکھتے تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے دیوان اردو کے انتخاب کا سہرا مولانا خیرآبادی اور مرزا خان کے سر باندھا ہے۔ لکھتے ہیں :

”سن رسیدہ اور معتبر لوگوں سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں ان کا دیوان بہت بڑا تھا، یہ منتخب ہے۔ مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی فاضل برعدیل تھے۔ ایک زمانہ میں دہلی کی عدالت ضلع میں سررشتہ دار تھے۔ اسی عہد میں مرزا خان عرف مرزا خانی خان صاحب کوتوال شہر ہے۔ وہ مرزا قتیل کے شاگرد تھے۔ نظم و نثر فارسی اچھی لکھتے تھے غرضیکہ یہ دونوں باکمال مرزا صاحب کے دلی دوست تھے۔ انہوں نے اکثر غزلوں کو سنا اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب

کو سمجھایا کہ یہ اشعار عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے
مرزا نے کہا ، اتنا کچھ کہہ چکا ۔ اب تدارک کیا ہو سکتا
ہے ؟ انہوں نے کہا ، خیر جو ہوا سو ہوا ۔ انتخاب کرو
اور مشکل شعر نکال ڈالو ۔ مرزا صاحب نے دیوان حوالے کر دیا
۔۔۔ دونوں صاحبوں نے دیکھ کر انتخاب کیا ۔ وہ یہی دیوان
ہے جو آج ہم عینک کی طرح آنکھوں سے لگاتے پھرتے ہیں (۱)

علامہ صاحب کا علمی کمال نہ صرف اردو ادب میں جلوہ گر ہے
بلکہ آپ نے ع۔ بی زبان میں حضور پاک کی مدح اور کفار کی ہجو
میں قصائد لکھے اور مرثیوں میں بھی طبع آزمائی کی ۔ اس کے ساتھ
ساتھ فارسی زبان میں بھی یکتائے روزگار تھے ۔ اور فارسی شاعری
میں انہوں نے اپنا تخلص ” فرقتی “ رکھا ۔ فصاحت و بلاغت اور
روانی سلاست میں بیسیوں خطوط ، مضامین اور مقالات لکھے گویا
آپ تمام علوم میں فاضل کامل اور متبحر عالم تھے ۔ سرسید احمد
خان علامہ صاحب کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں ۔

” مستجمع کمالات صوری و معنوی جامع فضائل ظاہری و باطنی
بنا افضل و افضال بہار آرائے چمنستان کمال مبطل
باطل و محقق حق ، مولانا محمد فضل حق جمیع علوم و
فنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا
انہی کے فکر عالی نے بنا ڈالی ہے ۔ علمائے بعد میں فضلائے
دھر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہ اہل کمال کے حضور
میں بساط مناظرہ آراستہ کر سکیں ۔ بار بار دیکھا گیا ہے کہ
جو لوگ اپنے آپ کو یگانہ فن سمجھتے تھے جب ان کی زبان

سے ایک حرف سنا ، دعویٰ کمال کو فراموش کر کے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھے۔ بایں ہمہ کمالات علم و ادب میں ایسا علم سرفرازی بلند کیا ہے کہ فصاحت کے واسطے ان کی عبارت شستہ محضر عروج معارج ہے اور بلاغت کے واسطے ان کی طبع رسادست آویز بلندی مدارج ہے۔ سبحان کو ان کی فصاحت سے سرمایہ خوش بیانی اور امرؤالقیس کو ان کے افکار بلند سے دست گاہ عروج معانی الفاظ پاکیزہ ان کے رشک گوہر خوش آب اور معانی رنگین ان کے غیرت لعل ناب ہیں « (۱۸)

گویا مولانا ایک فخر روزگار کامل فاضل اور فلسفی تھے۔ آپ کی جودت طبع رسائی ، ذہنی بلند خیالی اور دقیق النظری برے نظیر تھی۔ « ایک دفعہ مولوی اکرام اللہ شہابی نے شمس العلماء مولانا عبدالحق سے پوچھا۔ بھائی صاحب دنیا میں حکیم کا اطلاق کن کن پر ہے۔ مولانا کہنے لگے ، بھیا ساڑھے تین حکیم دنیا میں ہیں ، ایک معلم اول (ارسطو) دوسرے معلم ثانی (ابو نصر فارابی) تیسرے والد ماجد مولانا فضل حق خیرآبادی اور نصف بندہ « (۱۹) تصانیف :

علامہ فضل حق خیرآبادی نے اپنی عمر کے پچاس برس درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں بسر کیے۔ اس دوران میں انھوں نے فرائض ملازمت کو بڑی تندہی اور ایمانداری سے سرانجام دیا۔ لیکن یہ گونا گوں مصروفیات درس و تدریس اور معرکۃ الآراء تصنیفات کے سلسلہ میں کبھی بھی حائل نہ ہوئیں۔ اگر ایک طرف آپ نے شاہانہ

خلعت میں ملبوس ہو کر مختلف زبانوں میں کتب و رسائل کی تالیف کی تو دوسری طرف ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں خوفناک مصائب اور الم ناک حالات میں جزیرہ انڈمان میں محبوس فقیرانہ لباس میں ملبوس ہو کر بھی اپنے سلسلہ تصنیف کو نہ چھوڑا۔ آپ کی تمام کتب میں ادبیت کی چاشنی اور فصاحت و بلاغت کی بلندی نمایاں ہے۔ ”باغی ہندوستان“ میں آپ کی کتب کی حسب ذیل فہرست موجود ہے۔

”الجنس العالی شرح جواہر العالی، حاشیہ افق المبین، حاشیہ تلخیص الشفاء، حاشیہ شرح مسلم قاضی مبارک، اس شرح کے معرکۃ الآراء مباحث کی فہرست ”الثورة الهندیہ“ میں موجود ہے۔ اس کتاب کے بارے میں جزیرہ انڈمان میں بعض اسیر فرنگ علماء نے دریافت کیا کہ ہندوستان میں کیا یادگار چھوڑی ہے فرمایا دو یادگاریں چھوڑ کر آیا ہوں۔ ایک حاشیہ شرح مسلم قاضی مبارک گویاموی اور دوسری یادگار برخوردار عبدالحق، (۲۰)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ صاحب اپنی اس تصنیف پر کس قدر فخر کرتے تھے۔

الہدیہ السعیدیۃ فی الحکمۃ الطبیعیۃ : یہ فلسفہ اور حکمت کے موضوع پر ایک عمدہ اور مستند تصنیف ہے۔ اس کتاب میں زمین کی حرکت پر اشرح و بسط کے ساتھ براہین قائم کرنے کے بعد موجودہ سائنس کی تحقیقات کے غلط ثابت کر کے مخالفین کے دلائل کو مسترد کر دیا ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور تین فنون پر مشتمل ہے اور آج تک ہند اور بیرون ہند میں داخل نصاب ہے۔ اس کتاب کا

نام والٹی رام پور نواب محمد سعید خان کے نام پر رکھا گیا اور اسکی تصنیف کا سبب بھی نواب صاحب ہی تھے۔ اسکے علاوہ موصوف نے درج ذیل کتابیں تصنیف کیں۔

رسالہ تشکیک ماہیات ، رسالہ کلی طبعی ، رسالہ علم و معلوم ،
روض المجود فی تحقیق حقیقة الوجود ، رسالۃ قاطیغوریاس ، رسالہ
تحقیق حقیقة الاجسام ، رسالہ الثورة الهندیہ ، قصائد فتنۃ الہند۔
قصائد فتنۃ الہند ، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے درد انگیز
تاریخی واقعات ، المناک حادثات ، مجاہدین کی جلاوطنی ، جس
دوام بہ عبور دریائے شور ، مردوں ، عورتوں اور بچوں کا قتل عام اور
مسلط حکومت کے مظالم کی دل ہلا دینے والی خونی داستان ہے ،
جسے علامہ فضل حق صاحب نے جزیرہ انڈمان میں حالت مجبوسی
میں مختلف کاغذ کے پرزوں اور کپڑوں پر کوئلہ وغیرہ سے لکھا تھا اور
جناب مفتی عنایت احمد کاکوروی (م ۱۲۷۷ھ) کی رہائی پر ان
کے ہاتھ اپنے خلف الرشید مولانا عبدالحق خیر آبادی کے پاس بھیج
دیا تھا۔ اس رسالہ میں ” قصائد فتنۃ الہند “ کو بڑی محنت و کاوش
سے مرتب کیا تھا۔ ان دو عربی قصائد (ہمزیہ اور دالیہ) میں اس
وقت کے ہولناک مصائب اور نصاریٰ کے خوفناک عزائم کا ذکر کرتے
ہوئے علمائے مجاہدین کے اعلان جہاد کو وقت کی اہمیت کے
مطابق اشد ضروری قرار دیا ہے۔ گویا الثورة الهندیہ اور قصائد فتنۃ
الہند آپ کے علمی و ادبی شاہکار ہیں۔

مجموعہ القصائد ، امتناع النظیر ، تحقیق الفتویٰ فی ابطال

الطفوی

مندرجہ بالا تصنیفات میں چار پانچ کے علاوہ باقی سب غیر مطبوعہ ہیں۔ ”الثورة الهندية“ میں شروانی صاحب نے ان سولہ تصنیفات کا ذکر کیا ہے جب کہ تاریخ ادبیات عربی جلد دوم میں علامہ صاحب کی ۲۳ کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ فضل حق خیرآبادی نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی کے بطن سے تین صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ یعنی شمس العلماء مولانا عبدالحق اور دوسری اہلیہ سے دو صاحبزادے، مولوی شمس الحق اور مولوی علاء الحق تھے۔

حوالہ جات

- ۱۔ عبدالشہاد خان شروانی، باغی ہندوستان۔ ص ۱۲۔ اخبار مدینہ یجنور طبع اول ۱۹۳۷ء۔
- ۲۔ مولوی رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۱۶۳۔ ایجوکیشنل پریس کراچی۔ جولائی ۱۹۶۷ء۔
- ۳۔ اشرف علی تھانوی، امیر الروایات۔ ص ۱۰۵۔ کتب خانہ امداد الغریبا سہارن پور۔
- ۴۔ ایضاً۔ ص ۳۸، ۳۹۔
- ۵۔ مولانا اگل حسن شاہ پانی پتی، تذکرہ غوثیہ۔ ص ۱۳۶، ۱۳۷۔ علمی پرنٹنگ پریس لاہور۔ ۱۹۵۵ء۔
- ۶۔ عبدالشہاد خان شروانی، باغی ہندوستان۔ ص ۳۳، ۳۴۔
- ۷۔ مولوی رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۱۶۳، ۱۶۵۔
- ۸۔ آرزو، علامہ فضل حق صاحب کا تخلص ہے۔
- ۹۔ اشرف علی تھانوی، امیر الروایات۔ ص ۱۵۹، ۱۶۰۔
- ۱۰۔ اشرف علی تھانوی، امیر الروایات۔ ص ۱۶۱۔
- ۱۱۔ عبدالشہاد خان شروانی، باغی ہندوستان۔ ص ۳۱۶۔
- ۱۲۔ ایضاً ص ۱۶۸۔

- ۱۳- ایضاً۔ ص - ۱۷۰
- ۱۴- ایضاً ص - ۳۲۷ ، ۳۲۸
- ۱۵- مولانا گل حسن شاہ پانی پتی ، تذکرہ غوثیہ - ص ، ۱۲۷
- ۱۶- سید عبدالعزیز لکھنوی ، گل رعنا - ص ، ۳۳۰ - طبع شدہ لکھنؤ ۱۶ ربیع الثانی - ۱۳۳۰ھ
- ۱۷- محمد حسین آزاد ، آب حیات - ص ۶۳۵ ، ۶۳۷ - سرفراز پریس لکھنؤ -
- ۱۸- سرسید احمد خان ، آثار الضنادید - ص ، ۱۱ - سید الاخبار ۱۲۶۳ھ - ۱۸۴۷ء
- ۱۹- منشی انتظام اللہ شہابی ، علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کے سیاسی کارنامے - ص ، ۲۷ -
- ۲۰- عبدالشہاد خان شروانی ، باغی ہندوستان - ص ، ۱۰۰

